کبھی میں یاد آؤں تو.......

کبھی میں یاد آؤں تو
مری باتوں کو دُہرانا
محبت کے حسیں لمحے
جو کل ہم نے گزارے تھے
انہیں آنکھوں میں بھر لینا
کبھی میں یاد آؤں تو
سرکتی شام سے جاناں
نگاہیں پھیر لینا تم
کہیں ایسا نہ ہو جائے
نہاں دل میں جو خواہش ہے
تمہیں مضطر نہ کر ڈالے

ارشد محمود ارشد

ہمارے ناقدین کا المیہ یہ ہے وہ کسی نوآموز شاعر کے کلام کو پرکھنے کے لیے غالب اور میؔر کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ غالب اور میر کی عظمت سے کوئی ذی ہوش انکار نہیں کرسکتا لیکن آج کا معاشرہ ان کے زمانوں سے یکسر مختلف ہے۔ انہیں سامع اور قاری دستیاب تھے لیکن آج کے شاعر کا المیہ یہ ہے کہ اسے قاری اور سامع دونوں میسر نہیں۔ اس صورت حال میں کسی نوجوان کا شعروادب سے تمسک رکھنا کسی جہاد سے کم نہیں اور مقامِ مسرت ہے کہ جناب ارشد محمود ارشد اس علمی و ادبی جہاد میں صف اوّل کے قلمی سپاہی بن کر ہمارے سامنے آرہے ہیں "کبھی میں یاد آؤں تو......" ارشد محمود ارشد کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جس میں انہوں نے محض ہجر و وصال اور گل و بلبل ہی کو موضوع نہیں بنایا ہے بلکہ اپنے عہد کے مشاہدات اور تجربات کو نہایت فنی چابک دستی سے بیان کر دیا ہے۔ شاعری میں اپنے عہد کو محفوظ کرنا ایک تخلیقی رویہ ہے اور ارشد محمود ارشد نے یہ "دُشوار" کام انتہائی آسانی سے سر انجام دے دیا ہے۔ ان کی شاعری میں جہاں ایک جانب روایت کی پاسداری ملتی ہے وہاں دوسری طرف جدید عہد کے تمام امکانات بھی جلوہ گر ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ارشد محمود ارشد اپنی تخلیق کی تیسری آنکھ کو اور کشادہ کریں گے تاکہ کائنات کے پوشیدہ اسرار بھی ان پر ہویدا ہو جائیں۔

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

چیئرمین عالمی مجلس ادب پاکستان

0333-4255153


بسم الله الرحمن الرحيم

کبھی میں یاد آؤں تو.....

ارشد محمود ارشد

مغل پبلشنگ ہاؤس لاہور

کتاب کا نام	:	کبھی میں یاد آؤں تو
شاعر	:	ارشد محمود ارشد
کمپوزنگ/گرافکس	:	ذوالفقار احسن
اہتمام	:	ذوالفقار رشید (یو۔کے) عابدہ شاہ (یو۔کے)
مطبع	:	مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور
ناشر	:	فوزیہ مغل (مغل پبلشنگ ہاؤس لاہور)

Mobile:+92 300 468 3760

E,mail: fozia_mughal22@yahoo.com

تعداد	:	500
قیمت	:	160/- روپے
اشاعت	:	دسمبر 2009ء

رابطہ : ارشد محمود ارشد

ہاؤس نمبر 52، سٹریٹ نمبر 1

عزیز کالونی سرگودھا

0333-9801168 ,0300-6008622

انتساب :

اپنے بڑے بھائی

حاجی محمد اسلم، محمد اشرف

اور

حاجی محمد اصغر

کے نام



آئینہ



شعری ادب کا تسلسل

اُردو ادب کے حوالے سے دبستانِ سرگودھا کی اپنی ہی پہچان ہے۔غزل، نظم، نثر، اور تنقید کے میدان میں بے شمار مشاہیر کے نام لیے جاسکتے ہیں جن کا اس سرزمین ادب سے تعلق ہے۔ ارشد محمود ارشد بھی سرگودھا کا ایک معروف نوجوان شاعر ہے"کبھی میں یاد آؤں تو....." ارشد کا دوسرا مجموعہ کلام ہے۔اس کا پہلا مجموعہ میری نظر سے نہیں گزرا البتہ مختلف جرائد ورسائل میں اس کا کلام گاہے بہ گاہے میری نظروں سے گزرتا رہتا ہے۔

اردو ادب کے ایک قاری کی حیثیت سے میں میرؔ، غالبؔ، سوداؔ، مصحفیؔ، مومنؔ، عرفیؔ، حافظؔ اور دیگر اساتذہ کا کلام بار بار پڑھتا رہتا ہوں۔اس سے مجھے تحریک سخن بھی ملتی ہے اور پیرایۂ اظہار کی رہنمائی بھی۔اپنے عہد کے دیگر نامور شعراء اور نوجوان شاعروں کا کلام بھی میں دلچسپی سے پڑھتا ہوں اس سے مجھے اندازہ ہوتا رہتا ہے کہ زبان وبیان میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں جو مستقبل میں اردو زبان کی تشکیلِ نو کا باعث بنیں گی۔زبان کی بعض تبدیلیاں مستقل حیثیت اختیار کرلیتی ہیں جبکہ بعض کمزور کوششوں کو زبان ازخود فوراً رد کردیتی ہے۔ہر زبان میں ردو قبول کا اپنا ایک سسٹم ہوتا ہے۔ اردو زبان میں بھی یہ قدرت موجود ہے۔خاص طور پر غزل کا یہ سسٹم تو بہت حساس نوعیت کا ہے۔

ارشد محمود ارشد کے زیرِ نظر مجموعہ کلام کا مطالعہ بھی میں نے اسی زاویے سے کیا ہے۔اس کے کلام میں مجھے ندرتِ خیال کے ساتھ ساتھ اظہار کے نئے انداز بھی نظر آئے ہیں۔کچھ الفاظ اس کی شاعری میں ایسے بھی نظر آئے جو اپنے روایتی معانی سے ہٹ کر استعمال کیے گئے ہیں۔مثلاً اردو میں "بازاری" کا لفظ اوباش قسم کے لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے لیکن ارشد محمود نے کہا کہ:

لگاؤ دام چاہت کے تو یہ بھی ذہن میں رکھنا

ہر اک شے ہی زمانے میں تو بازاری نہیں ہوتی

اس شعر میں شاعر نے چاہت کو "بازاری" کی تہمت سے بھی بچایا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ ہر چیز کی طرح چاہت بکاؤ مال نہیں ہوتی۔

کسی شاعر کی شاعری کو روایتی یا جدید کہنے کی روایت بھی اب فرسودہ سی ہوگئی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ علم وادب کی اقدار میں بھی بے پناہ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ زبانوں کو اب تنگ دامانی کا احساس ہونے لگا ہے۔ اس لیے زبانیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی ہیں۔ نئی لسانی تشکیلات وجود میں آ رہی ہیں۔ اصطلاحیں تبدیل ہو رہی ہیں۔ کمپیوٹر نے مراسلت کے انداز بدل دیئے ہیں۔ محبوب کو خط لکھنے کا زمانہ بدل چکا ہے اور اس کی جگہ SMS اور CHAt نے لے لی ہے۔ پیار کے آداب بھی بدل رہے ہیں اور اس کا اثر شاعروں کی شاعری پر بھی براہ راست پڑ رہا ہے۔ خاص طور پر نوجوان نسل کی شاعری پڑھ کر تو یہی تاثر قائم ہوتا ہے۔ یہ کوئی بری بات بھی نہیں ہر اچھے شاعر کی شاعری اپنے زمانے کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ ارشد کی غزل بھی اپنے عہد کی تصویر کشی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اس گھر پہ جانے کب سے ہیں تالے پڑے ہوئے
جالوں کے رنگ بھی تو ہیں کالے پڑے ہوئے
اس تیرگی کے راج کو توڑیں تو کس طرح
اس سوچ میں ہیں کب سے اجالے پڑے ہوئے

مجھے ارشد محمود کی چند غزلیں پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اس نے غزل کی روایتی اقدار کو پامال نہیں کیا۔ یہی ایک غزل گو کی کامیابی ہوتی ہے۔ ارشد کے شعروں میں کسک ہے جو دلوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

سرِ ساحل تماشا دیکھتے ہو
کہ میں گرداب سے اُلجھا ہوا ہوں

نمٹ لوں گا میں ارشد دشمنوں سے
ابھی احباب سے الجھا ہوا ہوں

غزل کے حوالے سے اردو زبان اس عہد تک آتے آتے مالا مال ہوگئی ہے۔ بے شمار محاورے، اصطلاحیں، ندرت خیال، ہر رنگ ڈھنگ کے لہجے، ڈکشن، روایتیں، جدتیں، خیال وفکر کی رعنائیاں، گہرائیاں، استعارے، ترکیبیں، ردیفیں، قوافی، بحور، علامتیں، عروضی پابندیاں اور جلال و جمال یہ سب کچھ اردو غزل نے اردو زبان کو عطا کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اردو زبان میں جو چاشنی ہے وہ غزل کی بدولت ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ شعری ادب کا تسلسل ہی کسی زبان کی ترقی اور بقا کا ضامن ہوتا ہے۔ ہر شاعر اپنی شاعری کے ذریعے شعری ادب کے تواتر کو آگے بڑھاتا ہے اور آج کا نوجوان شاعر ارشد محمود بھی اپنے عہد کے بہت سے دیگر شاعروں کی طرح اس کام میں لگا ہوا ہے۔

ہر عہد میں کسی خاص خطے، ملک یا علاقے کے لوگ اپنے اردگرد کے ماحول کا مشاہدہ اپنے اپنے انداز میں کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک ہی وقت میں ایک ہی موضوع پر بہت سے لکھاری اپنے اپنے مشاہدات نظم ونثر میں لکھ رہے ہوتے ہیں اس طرح موضوع کی یکسانیت کے باوجود بے شمار تحریریں قارئین کی نظر سے گزرتی ہیں۔ جو لکھنے والوں کے جداگانہ لہجے کی بدولت قارئین پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

انسان صدیوں سے اس کرۂ ارض پر قیام پذیر ہے۔ انسانوں کے جذبات واحساسات اور مشاہدات کا DATA اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ اب "نئے" کا لفظ بہت پرانا لگنے لگا ہے۔ اب یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں موضوع پر پہلی بار میں نے قلم اٹھایا ہے" ایک مزاحیہ سی بات لگتی ہے۔ ہاں جسے ہم جدید طرزِ احساس کا نام دیتے ہیں وہ محض، لہجے کی تبدیلی کا نام ہے۔ بیانیہ کی تلوار کاٹ دار ہونی چاہیے۔ بعض اوقات جہاں الفاظ کا استعمال عام اصطلاحی معنوں سے ہٹ کر کیا جائے وہاں بھی جدید طرزِ احساس کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔

غزل میں ردیف وقافیہ کی نئی بندش بھی غزل میں جدت کا رنگ بھر دیتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ نیا خیال نئی بندشوں سے ملتا ہے۔ ارشد محمود ارشد کی زیر نظر کتاب میں بہت نئی ردیفیں نظر آتی ہیں۔

لکھ رہا ہے ایک مدت سے کہانی ریت پر
حسرتوں کی سیج پر ہے زندگی بکھری ہوئی
یوں تری یاد سے دل ہوا مضطرب
کھلیں گے پھول تو آئے گا تتلیوں کا ہجوم

ارشد محمود نے پامال زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں اور کوشش کی ہے کہ ان زمینوں میں بھی نئے انداز سے اپنی بات کہی جائے۔ اسی طرح کی شعوری یا لاشعوری کاوشیں شاعر کو منفرد لب و لہجہ عطا کرتی ہیں، ارشد محمود ارشد نے شاعری کی سنگلاخ مگر معطر وادی میں قدم رکھا ہے جیسے جیسے وہ ان راہوں پر آگے بڑھتا رہے گا۔ اس کی سرشاری بھی بڑھتی رہے گی اور اسے یہ بھی آہستہ آہستہ معلوم ہو جائے گا کہ ان وادیوں میں سفر کے اصول وضوابط کیا ہیں۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ اس جگہ حرف معتبر ہے شرط'' یہ حرف معتبر اللہ دین کا چراغ نہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ یہ تو ہر اس شاعر کی رسائی میں ہے جو اساتذہ کے کلام کا باقاعدگی سے اور دلچسپی سے مطالعہ جاری رکھتا ہے اردو تنقید سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، دوسروں کی کوتاہیوں سے سبق حاصل کرتا ہے اور دوسرے شاعروں کے اچھے اشعار کی تحسین کرتا ہے۔ ارشد محمود ارشد کی لگن اور جذبے سے میں بخوبی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ یہ نوجوان شاعر انشاءاللہ اس میدان سخن میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا۔

باقی احمد پوری

۲۲ اکتوبر ۲۰۰۹ء لاہور



''کبھی میں یاد آؤں تو.......'' پر ایک نظر

بجھتے ہوئے چراغوں سے کچھ نئے چراغ جلانے کی روایت بہت پرانی ہے مگر اسی طرح روشنی آگے سے آگے پھیلتی چلی جاتی ہے۔شعر کہنا گویا موم بتی کی طرح دھیرے دھیرے سلگنے کا ایسا عمل ہے جس میں تخلیق کار خود بھی شامل ہوتا ہے اور جلنے کے عمل سے گزرتا ہے۔ دبستان سرگودھا اس لحاظ سے انتہائی زرخیز ہے کہ یہاں کے فنکار جل جل کر کندن بن جاتے ہیں اوران کے باطن سے پھوٹنے والی روشنی سے کئی کہکشائیں آسمان ادب پر نمودار ہوتی ہیں۔یوں تو میرا تعارف نوجوان شعرا ذوالفقار احسن ، عابد خورشید، صفدر رضا صفی ، عابد سیال، مسعود تنہا، اسد اعوان، عاشر وکیل راؤ، ارشد ملک، عابد حسین عابد، اور ریاض ساجد سے بہت زیادہ قریبی ہے لیکن ارشد محمود ارشد کو پڑھنے اور سننے کا موقع بھی ملتا رہا ہے۔ارشد محمود ارشد کا شمار سرگودھا کے ایسے نوجوان شعراء میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنی مشق سخن کا آغاز نئی صدی کے اوائل میں کیا۔ ارشد محمود ارشد نے بہت جلد اپنا پہلا شعری مجموعہ ''عجب سی بے قراری ہے'' اہل فن کے سامنے رکھا ۔اس مجموعہ پر دنیائے اردو غزل کے نامور شاعرو نقاد جناب ظفر اقبال نے اپنی قیمتی رائے سے نوازا۔ یہ مجموعہ ارشد محمود ارشد کے ابتدائی کلام پر مشتمل تھا۔ارشد محمود ارشد کا حلقہ احباب چونکہ پورے پاکستان میں پھیلا ہوا ہے سو یہ کتاب بھی پاکستان بھر میں پھیل گئی۔اس پر لاتعداد تبصرے بھی چھپے اور اُس کو خوب پذیرائی ملی۔

ارشد محمود ارشد غزل کہتے ہوئے غزل کے ان لوازمات کو بھی پورا کرتا ہے جو غزل کی جان ہیں۔ان کے ہاں رنگ تغزل اپنے عروج پر ہے۔ارشد محمود ارشد کے ہاں رومانوی رنگ بہت نمایاں ہے۔ایسے ایسے نازک خیالات کو شعروں کے سانچے میں ڈالتا ہے کہ قاری سرشاری

کی کیفیت میں آ کر جھوم اٹھتا ہے۔ثبوت کے طور پر اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بہت ہے وہ حسیں ارشد پر اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہیں
سنا ہے ایسے لوگوں میں وفا داری نہیں ہوتی

دل تو ہے سینے میں لیکن دلربا کوئی نہیں
اس طرح تو زندگانی کا مزہ کوئی نہیں

جب یادوں کے بادل ہل چل کر تے ہیں
بیتے لمحے آنکھیں جل تھل کر تے ہیں

ارشد محمود ارشد نوجوان شعرا کی طرح صرف اور صرف رومان پرور ہی نہیں بلکہ اس کے ہاں سماجی و معاشرتی مسائل بھی ملتے ہیں وہ معاشرتی رویوں پر بھی بات کرتا ہے۔وہ عدالتی نظام کے خلاف بھی نعرہ حق بلند کرتا ہے۔وہ راہنماؤں سے بھی خوف زدہ ہے۔وہ حبس کے موسم میں سانس لے رہا ہے وہ تازہ ہوا کا تمنائی ہے۔وہ موجودہ نظام کے خلاف بھی آواز اٹھاتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ارشد ایک ایسا تخلیق کار ہے جو جبر اور ظلم کے خلاف نعرہ حق بلند کرنے کی جرات رکھتا ہے،اور یہ جرات بتاتی ہے کہ ان کے اندر کوئی شے ایسی ہے جو انہیں سچ کہنے پر اکساتی ہے ۔وہ کہتا ہے:

جہاں پر کوڑیوں کے مول میں انصاف بکتا ہے
وہاں مظلوم کو اکثر عدالت مار دیتی ہے

ہے کوئی رہبر نہ ہمدم راہنمائی کے لیے
رہ نہ جائیں راستے میں جگ ہنسائی کے لیے

ارشد محمود ارشد کے ہاں ”دریا،سمندر،ساحل،فرات،پانی،عزاداری،کربلا،صحرا، پیاس،ایسے مضبوط استعارے جابجا موجود ہیں۔ جو واقعہ کربلا کی یاد دلاتے ہیں اس کے علاوہ

ارشد محمود ارشد نے واقعہ کربلا کو بھی کئی شعروں میں بیان کیا ہے کہ

ایک دن ملنا تھا جس دھرتی میں خوں مظلوم کا
نام اس کا ہی ازل سے کربلا رکھا گیا
نکال سکتا نہیں ہوں میں دل سے حبِ حسینؓ
وراثتوں میں ملی جو کہ اپنی ماں سے مجھے

ارشد محمود ارشد کا تازہ شعری مجموعہ ''کبھی میں یاد آؤں تو......'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے پورا مجموعہ پڑھا ہے۔ مجھے اس کے ہاں رجائیت کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ ارشد محمود ارشد کے پہلے مجموعہ ''عجب سی بے قراری ہے'' کے بعد ''کبھی میں یاد آؤں تو...'' اس کی اڑان کا دوسرا مرحلہ ہے جس میں وہ بے حد کامیاب و کامران ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ارشد نے اپنا شعری سفر جاری رکھا۔ تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ ارشد اپنی الگ شناخت بنا لے گا۔ مجھے توقع ہے کہ اس شعری مجموعہ کی پذیرائی میں
اہلِ فن اس کی حوصلہ افزائی میں فراخ دلی کا مظاہرہ کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم
گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج سرگودھا



ارشد محمود ارشد کی شاعری کا نقشِ ثانی

ارشد محمود ارشد کی غزلوں اور نظموں کا اولین نقش ''عجب سی بے قراری ہے'' 2007ء میں منصۂ شہود پر آیا اور پذیرائی کی منازل طے کیں اور اس کی شاعری کے نقش ثانی کی نمود ''کبھی میں یاد آؤں تو.....'' کی شکل میں ہوئی ہے۔ جس میں حسب روایت اس کی غزلیں اور نظمیں شامل ہیں اردو لغت میں غزل کے جو معنی دیئے گئے ہیں ہر چند کہ غزل اب اس سے بہت آگے جا چکی ہے تاہم ارشد کی خوبی یہ ہے اس نے غزل کی کلاسیکی روایت میں رہ کر مضامین تازہ کی تلاش کی ہے اس حوالے سے ہم ارشد محمود ارشد کو تازہ لہو کے اس قبیلے کا فرد قرار دے سکتے ہیں جس کی شاعری کے رنگ کسی طور بھی پھیکے نہیں پڑیں گے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مزید نکھار آئے گا ارشد محمود ارشد کے تازہ شعری مجموعہ ''کبھی میں یاد آؤں تو.....'' میں خواب منظر باطنی احساسات کے ساتھ عکس ریز ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کی سماجی صورت حال سے بھی بے خبر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری میں عصری شعور، تخلیقی تکوین ایقان سے بغلگیر ہوتے ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ارشد نے محبت اور نفرت کے رویوں کو بھی عمیق نظری سے دیکھا اور اپنے حساس دل کے ساتھ محسوس کیا ہے اور ان کا بیان شعری پیرائے میں یوں کہا ہے۔

جو آنکھوں میں اُتر آیا ہے میری
اُسی سیلاب سے الجھا ہوا ہوں

اترا ہے آج کیسا یہ سورج زمین پر
ہر شخص کو ہیں جان کے لالے پڑے ہوئے

کس طرح سے اب کروں میں ساحلوں کی آرزو
ہے شکستہ بادباں بھی اور ہوا کوئی نہیں
جس نے میری بینائی کو چھین لیا
وہ تو آج بھی میری آنکھ کا تارا ہے
اس نے پہلے جلایا مرا آشیاں
بعد اس کے وہ خود بھی رہا مضطرب

ارشد محمود ارشد ایک باشعور شاعر ہے اسی لیے اس کے ہاں عصری سچائیاں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں وہ اپنی لہولہو انگلیوں سے محبت کے ترانے لکھتا ہے اور وفاؤں کو شعری پیکر عطا کرتا ہے اس کی شاعری جذبوں سے مالا مال ہے اور اس کے دھنک رنگ اشعار قارئین کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

کچی نیند سے جاگنے والوں سے پوچھو
ٹوٹے سپنے کتنا بے کل کرتے ہیں
تری تصویر آنکھوں میں رہے گی
زمانے کو گوارا بھی نہیں ہے
چار سو پھیلی ہوئی ہے دھوپ تیرے روپ کی
اور حوالہ بن گیا ہے روشنی کا آفتاب

عصر حاضر میں شاعری تھوک کے حساب سے ہو رہی ہے۔ متعدد شاعر شاعری کی جمالیاتی قدروں سے ناواقف نظر آتے ہیں ان کی شاعری ''سٹریوٹائپ'' شکل اختیار کر لیتی ہے ایسے میں ارشد محمود ارشد جیسے نوجوان شاعر جب ادب اور بالخصوص شاعری کی جمالیاتی قدروں کو پیش نظر رکھتے ہیں تو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ ارشد محمود ارشد معاشرتی نشیب و فراز کا ذکر بھی شاعرانہ

اسلوب میں کرتا ہے اور لفظوں کی کوملتا کو بھی مجروح نہیں ہونے دیتا۔ اس کے علاوہ کلاسیکی تراکیب و مضامین کو نئے ڈکشن کے ساتھ اپنی شاعری کا حصہ بناتا ہے۔ اس کا یہ شعوری رویہ بھی اس کی شاعری کو اور زیادہ خوبصورت بناتا ہے۔

صحنِ گل میں آتش و آہن کا کھیل
صحنِ گُل کا ہر مکیں خطرے میں ہے
روتے روتے آنکھ بھی پتھرا گئی
اک ذرا سا مسکرا کر کیا ملا

''عجب سی بے قراری ہے'' سے ''کبھی میں یاد آؤں تو.......'' تک کا سفر ارشد محمود ارشد کے فنی ارتقاء کی کہانی بیان کرتا ہے۔ اس کہانی کے بہت سے منظر ہیں تاہم یہ منظر ہماری اپنی زندگی کے ترجمان ہیں اور یوں ہم ارشد محمود ارشد کو آج کا شاعر قرار دے سکتے ہیں اور کسی دانشور کا قول ہے کہ جس کا آج اچھا ہے اس کا کل بھی شاندار ہوگا اور یوں ہم ارشد محمود ارشد کے شاندار مستقبل کے تمنائی ہیں۔

شفیق آصف
ریڈیو پاکستان سرگودھا



ایک درخشندہ ستارہ ارشد محمود ارشد

ادبی افق پر رنگ و نور کی کئی کہکشائیں دکھائی دے رہی ہیں۔جنھوں نے آسمان ادب پر کتنے ہی خوش رنگ اور خوشنما ستارے بکھیر دیئے ہیں اور جن کی روشنی سے پورا گگن جگمگا اٹھا ہے۔انہیں کہکشاؤں کا ایک درخشندہ ستارہ ارشد محمود ارشد ہے جس نے انتہائی قلیل عرصہ میں اپنی روشنی سے ایسے ہالے بنائے ہیں کہ ایک علیحدہ کہکشاں بنتی نظر آ رہی ہے۔

ارشد محمود ارشد کی شاعری میں داخلیت اور خارجیت کی دونوں حوالوں سے بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔ارشدؔ نے واردات قلبی کو کچھ اس طرح شعروں کے قالب میں ڈھالا ہے کہ ہر پڑھنے والا دل گرفتہ ہوا چلا جاتا ہے۔ان کی شاعری میں بلا شبہ رومان بدرجہ اتم موجود ہے مگر ارشد عام نوجوانوں کی طرح محض رومان ہی نہیں بلکہ زندگی کے تلخ رویئوں کی بات بھی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ارشد محمود ارشد کی شاعری اسی لیے معاشرتی اور سماجی قدروں کا پورا پورا ساتھ دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ارشد محمود ارشد کی شاعری میں محبوب سے بے تکلفی کا جو انداز ملا ہے وہ انتہائی ریاضت کا متقاضی ہوا کرتا ہے۔ارشد کے ہاں کسی کے بچھڑ جانے کا کرب، بھی جا بجا ملتا ہے،تصور کے کینوس پر جب کوئی چہرہ ابھرتا ہے تو ارشد فرط جذبات میں پلکوں پر چمکتے ہوئے جگنو سے محسوس کرنے لگتا ہے۔

ارشد محمود ارشد کا اولین شعری مجموعہ ''عجب سی بے قراری ہے'' نے بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ظفر اقبال جیسے معروف غزل گو نے فلیپ لکھ کر ارشد محمود ارشد کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔اب ارشد کا دوسرا شعری مجموعہ ''کبھی میں یاد آؤں تو........'' منصۂ شہود پر آ گیا ہے۔ تازہ شعری مجموعہ کو پڑھ کر اندازہ ہوا ہے کہ ارشد کا ارتقائی سفر رکا نہیں بلکہ تیزی سے آگے بڑھا ہے اس نے غزل کے فنی محاسن کو نہ صرف سمجھا بلکہ انہیں خوش اسلوبی سے نبھایا بھی ہے۔ارشد کی تازہ

غزلوں میں جدید رنگ بھی نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔ ارشد کے مشاہدات و تجربات اس کی شاعری میں بھی نظر آتے ہیں۔ اس کا دکھ، اس کی محرومی صرف اسی کی نہیں بلکہ انفرادی سطح سے اوپر اٹھ کر اجتماعیت کی شکل اختیار کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ارشد کو دیگر نوجوان شعراء سے نہ صرف ممتاز بلکہ منفرد کرتی ہے۔

سجی ہر شے دکانوں میں بھلی لگتی تو ہے لیکن
تمناؤں کے سکوں سے خریداری نہیں ہوتی

ارشد محمود ارشد کی شاعری کی عمارت رنگ، خوشبو، ہوا اور پرندہ ایسے مضبوط استعارے پر کھڑی نظر آتی ہے۔ "ہوا" اُن کے ہاں ایسا استعارہ ہے جو کبھی موت کا اعلامیہ اور کبھی زندگی کی رمق کے طور پر برتا گیا ہے۔ ارشد کا کمال یہ بھی ہے کہ اس نے ایک ہی لفظ کو مختلف معنوں میں برتا ہے جس سے شعر کی معنوی سطح بہت بلند ہوتی نظر آتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کس طرح سے اب کروں میں ساحلوں کی آرزو
ہے شکستہ باداباں بھی اور ہوا کوئی نہیں
بجھا رہی ہے اگر وہ تو پھر بتاؤ مجھے
کبھی چراغ بھی جلتا ہے کیا ہوا کے بغیر

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

خیالِ یار کی چلتی رہی ہوا ، ارشدؔ
تو ٹمٹماتا رہا دل کا بھی دیا ارشدؔ

ارشد کا نیا شعری مجموعہ "کبھی میں یاد آؤں تو....." ایک ایسا مہکتا ہوا گلاب ہے جس کی خوشبو سے دبستان سرگودھا بڑی دیر تک مہکتا رہے گا۔

ذوالفقار احسنؔ

مدیر "اسالیب" سرگودھا

خوابوں کا شاعر

مجھے ارشد محمود ارشد کے پہلے مجموعہ کلام ''عجب سی بے قراری ہے'' کو پڑھنے کا اتفاق ہوا ، میں نے اُس میں ایک ایسے شاعر کی جھلک دیکھی ہے جو اکیسویں صدی میں بھی معجزوں کا منتظر ہے۔ وہ خواب دیکھتا ہے اور ان کی تعبیر کے لیے مضطرب بھی رہتا ہے۔ لیکن جب خواب ٹوٹتے ہیں تو وہ حوصلہ نہیں ہارتا بلکہ اپنے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیوں سے شعروں کی ایسی مالا پروتا ہے جسے کوئی بھی حساس دل انسان سراہے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ارشدؔ کی شاعری چونکہ سادہ اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات سے لبریز بھی ہے۔ اسی لیے قاری کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ جلد ربط پیدا کر لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ ارشد کے اکثر مصرعے قاری کو اپنے دل کی صدا محسوس ہوتے ہیں۔ اب جب کہ ارشدؔ کا دوسرا شعری مجموعہ ''کبھی میں یاد آؤں تو.....'' منظر عام پر آ رہا ہے تو میں تہ دل سے اس کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ کرے کہ ارشدؔ کامیابیوں کے سفر پر یونہی گامزن رہے۔ آمین

عابدہ شاہ

برطانیہ



اظہار تشکر

''عجب سی بے قراری ہے'' میرا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ جس کی اشاعت کو کم و بیش تین سال ہونے کو ہیں اس قلیل عرصہ میں آپ سب کی جانب سے مجھے جو محبتیں نصیب ہوئیں وہ میرا قیمتی اثاثہ ہے۔''عجب سی بے قراری ہے'' کی اشاعت کے وقت کچھ چہ مگوئیاں ایسی بھی تھیں کہ میں بہت جلد بازی کر رہا ہوں مجھے ابھی کتاب کو منظر عام پر نہیں لانا چاہیے ابھی عمر ہی کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ........لیکن کتاب کی اشاعت کے بعد جو پذیرائی مجھے آپ سب کی طرف سے ملی اس نے میرے حوصلے بلند کیے۔

''عجب سی بے قراری ہے'' کی اشاعت سے لے کر اب تک میں نے کتاب دل سے ورق ورق تو مختلف ادبی رسائل و ڈائجسٹوں کے ذریعے گاہے بہ گاہے آپ کی بصارتوں کی نذر کرتا رہا جسے آپ سب کی بھرپور دادِ تحسین حاصل ہوتی رہی ۔ بہت سے احباب اور قارئین کے اصرار پر میں نے ان چار سالوں میں ارمان و حسرت کی بکھری ہوئی کرچیوں کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا اور اسے ''کبھی میں یاد آؤں تو......'' کی صورت میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں مجھے امیدِ واثق ہے کہ میرے پاس موجود آپ کی محبتوں کے خزینے میں مزید اضافہ ہوگا۔ انشاءاللہ

میں اپنے ان سب احباب کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے میری پذیرائی اور راہنمائی کی، اور جن احباب نے میرے مجموعہ کلام پر اپنی قیمتی آراء کا اظہار کھلے دل سے کیا اور مجھے عزت بخشی، میں ان تمام احباب کا تہہ دل سے سپاس گزار ہوں۔

ارشد محمود ارشدؔ



حمدِ باری تعالیٰ

ہو عطا مجھ کو یہ دولت مالکِ ارض و سما
دل میں ہو بس تیری چاہت مالکِ ارض و سما

ایک مدت سے بہت بے کل ہوں میں بے تاب ہوں
کب ملے گی مجھ کو راحت مالکِ ارض و سما

کاش تیرے گھر میں جا کر ہجرِ اسود چوم لوں
مدتوں سے ہے یہ حسرت مالکِ ارض و سما

تو رکھے جس حال میں خوش میں رہوں گا یا خدا!
تجھ سے کیا شکوہ شکایت مالکِ ارض و سما

دھوپ یہ حالات کی جھلسائے کیا میرا وجود
ہے جو تیری نظرِ رحمت مالکِ ارض و سما



نعتِ رسولِ مقبولؐ

تاجدارِ حرم آپؐ کے نام پر میں سدا اپنی سانسیں لٹاتا رہوں
جب تلک سانس میری یوں چلتی رہے آپؐ کی نعتیں پڑھ کر سناتا رہوں

ہے تمنا کہ چوکھٹ کو میں چوم لوں جا بجا ہر طرف ہی میں سجدے کروں
ہو سفر جو میسر مدینے کا تو میں بھی گلیوں کے چکر لگاتا رہوں

جب وہؐ آجائیں گے میرے گھر کی طرف میری بگڑی ہوئی بات بن جائے گی
اس تمنا و حسرت کو دل میں لئے اُنؐ کی راہوں میں پلکوں بچھاتا رہوں

میرے دل کے اندھیرے میں ہو روشنی آپؐ کی یاد سے آپؐ کے ذکر سے
دل میں کوئی بھی خالی جگہ نہ رہے اُنؐ کی یادوں سے دل کو سجاتا رہوں

یہ تمنا ہے روضے کی جالی کو میں چومتے چومتے یہ جہاں چھوڑ دوں
ان ہی سوچوں میں بیٹا رہوں رات دن اپنی پلکوں سے آنسو گراتا رہوں



کربلا

تذکرہ کوئی کرے جس پل تمہارا کربلا
خون کے آنسو بہائے دل ہمارا کربلا

جو حُسینی ہو اسے ڈر کب یزیدِ وقت سے
ہے شجاعت کا جہاں میں استعارہ کربلا

تشنگی دیکھی تھی اس نے بھی کبھی معصوم کی
آج بھی روتا ہے دریا کا کنارا ، کربلا

جب جلایا جا رہا تھا خیمۂ بنتِ علیؑ
آسماں نے کر لیا کیسے گوارا ، کربلا

پردہ داروں کے سروں سے جس نے چھینی چادریں
دو جہانوں کا ملا اُس کو خسارہ کربلا

کونسا ہے معرکہ جس نے بچایا دین کو ؟
انبیاء نے یک زباں ہو کر پکارا ، کربلا

پشت پہ تھی مال و دولت سامنے جنت کا در
اک قدم نے حُر کی قسمت کو سنوارا ، کربلا





اگر یہ زندگانی پیار میں ہاری نہیں ہوتی
تو روز و شب خیالوں میں عزاداری نہیں ہوتی

جو منظر دل کا ہوتا ہے وہ چہرے سے جھلکتا ہے
تمہارے سامنے ہم سے اداکاری نہیں ہوتی

لگاؤ دام چاہت کے تو یہ بھی ذہن میں رکھنا
ہر اِک شے ہی زمانے میں تو بازاری نہیں ہوتی

خدا کے گھر بھی جانے سے گریزاں ہم جو رہتے ہیں
کسی بھی طور ہم سے تو ریاکاری نہیں ہوتی

سجی ہر شے دکانوں میں بھلی لگتی تو ہے لیکن
تمناؤں کے سکوں سے خریداری نہیں ہوتی

ہمارے زخمِ دل کا کچھ مداوا بھی ضروری ہے
فقط آنسو بہانے سے تو غمخواری نہیں ہوتی

بہت ہے وہ حسیں ارشدؔ پر اُس کے ہاتھ ٹھنڈے ہیں
سُنا ہے ایسے لوگوں میں وفاداری نہیں ہوتی





رات کی چادر پہ جیسے تیرگی بکھری ہوئی
حسرتوں کی سیج پر ہے زندگی بکھری ہوئی

چاند کے مکھڑے سے آنچل جب ہَوا سرکا گئی
رات بھر پھر چار سُو تھی چاندنی بکھری ہوئی

تیری باتیں اور یادیں رات بھر لکھتا رہا
صبح دم تھی کاغذوں پہ شاعری بکھری ہوئی

بحر کی موجوں میں پھر ہونے لگیں سرگوشیاں
میرے ہونٹوں پہ جو دیکھی تشنگی بکھری ہوئی

عکس تیرا آئینے میں جھلملایا اِس طرح
روشنی سی ہر طرف ہے حُسن کی بکھری ہوئی

کون تھا جس نے بکھیرا ان کو بے دردی کے ساتھ
کون تھا جو چُن رہا تھا ہر کلی بکھری ہوئی

تیرے ہاتھوں میں رہا تو زندگی محفوظ تھی
اب کہاں لے جائے ارشدؔ زندگی بکھری ہوئی





ادھورے خواب سے اُلجھا ہوا ہوں
دلِ بے تاب سے اُلجھا ہوا ہوں

سرِ ساحل تماشا دیکھتے ہو
کہ میں گرداب سے اُلجھا ہوا ہوں

اُسے دیکھا ہے جب سے آنکھ بھر کر
اُسی مہتاب سے اُلجھا ہوا ہوں

جو آنکھوں میں اُتر آیا ہے میری
اُسی سیلاب سے اُلجھا ہوا ہوں

نمٹ لوں گا میں ارشدؔ دشمنوں سے
ابھی احباب سے اُلجھا ہوا ہوں





اِس گھر پہ جانے کب سے ہیں تالے پڑے ہوئے
جالوں کے رنگ بھی تو ہیں کالے پڑے ہوئے

اُترا ہے آج کیسا یہ سورج زمین پر
ہر شخص کو ہیں جان کے لالے پڑے ہوئے

جھلسا دیئے ہیں اِس طرح صحرا کی دھوپ نے
چہرے مسافروں کے ہیں کالے پڑے ہوئے

اُس کو میرے خلوص کا پھر آ گیا یقیں
دیکھے جو میرے پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے

اِس تیرگی کے راج کو توڑیں تو کس طرح
اِس سوچ میں ہیں کب سے اُجالے پڑے ہوئے

باہر نکل کے ایک نظر دیکھ تُو ذرا !
در پہ ہیں تیرے چاہنے والے پڑے ہوئے

ارشدؔ میں اُس سے شکوہ بھی اُس کا نہ کر سکا
ایسا لگا زباں پہ ہیں تالے پڑے ہوئے





اپنا بوجھ تو خود ہی ڈھونا پڑتا ہے
وقت پڑے تو کون کسی کا ہوتا ہے

سینے کی حدت کو بھی محسوس کرو
اِس میں بھی اِک یاد کا سورج جلتا ہے

رزق کی خاطر کیوں خود کو ہلکان کریں
لکھنے والا لکھ دے جتنا ، دیتا ہے

پنجرے کے اندر ہو ، یا کہ باہر ہو
ٹوٹے پَر کا پنچھی کب اُڑ سکتا ہے

کوئی ارشدؔ سے بھی آ کر پوچھے تو
باتیں کرتا کرتا کیوں کھو جاتا ہے





پھول ، شبنم ، رنگ و بُو میں رابطہ رکھا گیا
کس لئے کانٹوں کو اِن سب سے جدا رکھا گیا

اُس نے اپنی عظمتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا
جس کے سر پہ تاجِ مخلوقِ خدا رکھا گیا

ایک ہالہ بن گیا ہے روشنی کا چار سُو
ظلمتوں کے درمیاں جس پل دیا رکھا گیا

جب مِری تقدیر میں لکھے گئے رنج و الم
غم اٹھانے کا بھی مجھ میں حوصلہ رکھا گیا

سو سہارے بانٹتا ہے اک سہارا چھین کر
کب کسی کو عمر بھر بے آسرا رکھا گیا

کر نہیں سکتا تھا میرے درد کا درماں اگر
عمر بھر اِک آس میں کیوں مبتلا رکھا گیا

ایک دن ملنا تھا جس دھرتی میں خوں مظلوم کا
نام اُس کا ہی ازل سے کربلا رکھا گیا

جس کو ارشدؔ آ گیا ہے چاپلوسی کا ہنر
نام اُس کا دوستوں میں باوفا رکھا گیا





اُس کی دھوپ بھی مجھ کو چھاؤں جیسی ہے
تیری بستی میرے گاؤں جیسی ہے

کتنی راحت کتنا چین سکون یہاں
دھرتی کی آغوش بھی ماؤں جیسی ہے

ڈرتا ہوں میں خواب کہیں نہ بہہ جائیں
آنکھ میں طغیانی دریاؤں جیسی ہے

تیرے بس میں کب کہ تُو سیراب کرے
پیاس بدن کی بھی صحراؤں جیسی ہے

کیسے کیسے روپ بدلتی ہو جاناں
تُو بھی چنچل شوخ ہواؤں جیسی ہے





دِل تو ہے سینے میں لیکن دِلرُبا کوئی نہیں
اِس طرح تو زندگانی کا مزہ کوئی نہیں

یوں اُلجھتی جا رہی ہے ڈور یہ حالات کی
دائرہ در دائرہ ہے اور سرا کوئی نہیں

گونجتی ہے کان میں "رُک جا مسافر" کی صدا
پیچھے مُڑ کے دیکھتا ہوں تو کھڑا کوئی نہیں

ٹنٹناتی گھنٹیاں ہیں ڈھول بھی اور شور بھی
راستے سُونے پڑے ہیں قافلہ کوئی نہیں

کس طرح سے اب کروں میں ساحلوں کی آرزو
ہے شکستہ بادباں بھی اور ہوا کوئی نہیں

خوف طاری ہے کہیں اِس بھیڑ میں کھو جاؤں نا!
سب کے چہرے ایک جیسے ہیں جدا کوئی نہیں

کپکپی ہونے لگی ہے بارشوں کے شور سے
رات بھی کالی ہے ارشد اور دِیا کوئی نہیں





مریضِ عشق تھے جیتے رہے دوا کے بغیر
بھنور میں ڈال دی ناؤ بھی ناخدا کے بغیر

بجھا رہی ہے اگر وہ تو پھر بتاؤ مجھے
کبھی چراغ بھی جلتا ہے کیا ہوا کے بغیر

بدن تو ٹوٹ رہا تھا مگر انا تھی ابھی
تمہارے در سے پلٹ آئے ہم صدا کے بغیر

وہ مثلِ خواب تھا آنکھیں کھلیں تو چھوڑ گیا
کہاں سے ڈھونڈ کے لاتا میں نقشِ پا کے بغیر

Scanned by CamScanner

بچھڑ کے مجھ سے کوئی اس کو دیوتا نہ ملا
جوانی کاٹ دی میں نے بھی اپسرا کے بغیر

گلہ میں کس سے کروں اب جو تو ملا ہی نہیں
اُٹھائے ہاتھ تھے میں نے مگر دُعا کے بغیر

گنہ گار تو ہوں میں یہ مانتا ہوں مگر
پرندہ پَر کہاں مارے تری رضا کے بغیر





ہے کوئی رہبر نہ ہمدم راہنمائی کے لیے
رہ نہ جائیں راستے میں جگ ہنسائی کے لیے

دو گھڑی تو کانپ جاتے ہیں قفس کے بام و در
جب پرندے پھڑپھڑاتے ہیں رہائی کے لیے

پل دو پل میں اجنبیت کی گرہیں کھلتی ہیں
گاہے گاہے ملتے رہنا آشنائی کے لیے

اس متاعِ درد کو میں دیکھ کر حیران ہوں
کب کیا تھا عشق میں نے یوں کمائی کے لیے

اُس نے ارشدؔ دل کی دھڑکن میں خلل پیدا کیا
میں نے جو محبوب ڈھونڈا دلربائی کے لیے





کیوں یہ ہونے لگا یقیں صاحب
میرا دل بھی مرا نہیں صاحب

دل کے آنگن سے تُو نکل بھی گیا
پھر بھی رہتا ہے تُو یہیں صاحب

تم بصد شوق جا رہے ہو مگر
لوٹ آؤ گے پھر یہیں صاحب

اک خدا کے سوا کسی در پر
کیوں جھکے گی مری جبیں صاحب

چاند روشن تو ہے مگر وہ بھی
تیرے جیسا نہیں حسیں صاحب

پوچھتے کیا ہو اپنے ارشد کا
پھرتا ہوگا یہیں کہیں صاحب





تج دیا ارماں ہزاروں کو چلا آیا ہوں میں
فصلِ گل میں ریگزاروں کو چلا آیا ہوں میں

کون تھا جس نے مجھے اس کرب سے آواز دی
"توڑ کر کتنے حصاروں کو چلا آیا ہوں میں"

شرط رکھی ہے کسی نے پھر سے جوئے شیر کی
لے کے تیشہ کو ہساروں کو چلا آیا ہوں میں

رفتہ رفتہ عشق نے صحرا کیا ہے جب وجود
حسن تیری آبشاروں کو چلا آیا ہوں میں

لشکرِ اعدا میں تھا جب جاگ اُٹھا میرا ضمیر
چھوڑ کر سب اپنے یاروں کو چلا آیا ہوں میں

دو گھڑی سستا ہی لوں میں کہ تھکن سے چُور ہوں
یوں تمہارے مرغزاروں کو چلا آیا ہوں میں

کیا یہ کم ہے اُس کی ارشدؔ مانگ بھرنے کے لیے
آج لے کر چاند تاروں کو چلا آیا ہوں میں





تُو ہی پیاس بجھا دے تُو تو دریا ہے
میرے چاروں جانب تو اک صحرا ہے

جس نے میری بینائی کو چھین لیا
وہ تو آج بھی میری آنکھ کا تارا ہے

بات ادھوری رہ جائے نہ چاہت کی
رات ہے چھوٹی اور یہ قصہ لمبا ہے

اُلجھی اُلجھی زلفیں گرد آلود قبا
آنے والا شاید دور سے آیا ہے

ارشدؔ اس کے بارے میں کیا پوچھتے ہو
وہ تو میری سوچ کے پیکر جیسا ہے





یوں تری یاد سے دل ہوا مضطرب
جس طرح ہو ہوا سے دیا مضطرب

بال کھولے ہوئے جا رہی تھی گھٹا
دیکھ کر اُس کو صحرا ہوا مضطرب

جب سفینے کو موجوں نے بوسے دیئے
جانے کیوں ہوگیا ناخدا مضطرب

اس نے پہلے جلایا مرا آشیاں
بعد اس کے وہ خود بھی رہا مضطرب

اے زمیں تیرا تشنہ بدن دیکھ کر
دُکھ سے ہونے لگی ہے گھٹا مضطرب

ہر کسی کا کوئی ایک محور بھی ہے
ہر کسی کو کسی نے کیا مضطرب

وہ جو ارشدؔ فلک تک نہیں جا سکی
عمر بھر وہ رہی ہے دعا مضطرب





جب یادوں کے بادل ہل چل کرتے ہیں
بیتے لمحے آنکھیں جل تھل کرتے ہیں

کچی نیند سے جاگنے والوں سے پوچھو
ٹوٹے سپنے کتنا بے کل کرتے ہیں

کوئی تو اس دل کو یوں سیراب کرے
جیسے پیاسی دھرتی بادل کرتے ہیں

تنہائی کی دھوپ سے جی گھبرائے تو
اُس پہ تیری یاد کا آنچل کرتے ہیں

میں تو سنگ میل سمجھ کر جاتا ہوں
وہ جو پتھر راہ میں حائل کرتے ہیں

سن کر میری باتیں وہ یہ کہتا ہے
تیرے قصے دل کو بوجھل کرتے ہیں

جن کی راہوں کو میں گلشن کرتا ہوں
وہ کیوں ارشدؔ رستے جنگل کرتے ہیں





اُٹھا رہے ہو جو یوں اپنے آستاں سے مجھے
نکال کیوں نہیں دیتے ہو داستاں سے مجھے

خبر نہیں ہے کہ میں کس گھڑی چلا جاؤں
صدائیں آنے لگیں اب تو آسماں سے مجھے

یہ جانتا ہی نہیں ہوں کہاں میں بھول آیا
وہ ایک راز جو کہنا تھا راز داں سے مجھے

نکال سکتا نہیں ہوں میں دل سے حُبِ حسینؑ
وراثتوں میں ملی جو کہ اپنی ماں سے مجھے

میں جانتا ہوں اگر آج تم گنوا دو گے
تلاش کرنا ہے کل تم نے پھر یہاں سے مجھے

جو زخم زخم ہوں طعنوں کے تیر کھا کھا کے
تو مار کیوں نہیں دیتے ہواب کے جاں سے مجھے

گزر گیا ہے جو لمحہ وہ پھر نہیں آیا
ملا ہے درس یہی عمر رائیگاں سے مجھے

پہنچ تو جاؤں گا میں بھی یقیں کے ساحل پر
نکالے کوئی تو ارشدؔ پر اس گماں سے مجھے





بدلا ہُوا ہے آج کل جو آسماں کا رنگ
اڑنے لگا ہے دیکھ کر سارے جہاں کا رنگ

شاید کہ ایک عمر سے لمبے سفر میں ہے
کہتا ہے داستاں عجب کارواں کا رنگ

محسوس ہو رہی ہیں جو پت جھڑ کی آہٹیں
پڑنے لگا ہے ماند ہر اِک باغباں کا رنگ

شاید اُٹھا سکے گا نہیں بوجھ راز کا
پھیکا جو پڑ گیا ہے میرے رازداں کا رنگ

تجھ کو نکال دوں تو مری زندگی ہے کیا
تیرے ہی دم قدم سے تو ہے داستاں کا رنگ

گلچیں نے شاخ شاخ سے کلیوں کو نوچ کر
دیکھو تو کیسا کر دیا ہے گلستاں کا رنگ

بھر بھر کے تُو جو پی رہا ہے تلخیوں کے جام
ارشدؔ بدل نہ جائے کہیں اب زباں کا رنگ





فلک پر چاند تارا بھی نہیں ہے
کوئی دلکش نظارہ بھی نہیں ہے

تیری تصویر آنکھوں میں رہے گی
زمانے کو گوارا بھی نہیں ہے

بچھڑ جائیں تو مجھ کو بھول جانا
مرا تجھ بن گزارا بھی نہیں ہے

محبت اور سمندر ایک جیسے
کوئی دوجا کنارا بھی نہیں ہے

ذرا ٹھہرو ابھی کچھ بات کر لیں
اگر ملنا دوبارہ بھی نہیں ہے





اندھیری شب ستارے جاگتے ہیں
یہاں سب غم کے مارے جاگتے ہیں

جلا ہے دِل مگر اِس راکھ میں بھی
ابھی کچھ کچھ شرارے جاگتے ہیں

تری چاہت میں جو بھی خواب دیکھے
مری آنکھوں میں سارے جاگتے ہیں

امیرِ شہر تُو یہ جانتا ہے؟
کئی بھوکے بچارے جاگتے ہیں

اگر دریا کا پانی سو گیا ہے
تو پھر کیونکر کنارے جاگتے ہیں





جب اُس کے سامنے سکھیوں نے بس کہا، ارشدؔ
تو اُس کی آنکھ نے ڈھونڈا ہر اک جگہ، ارشدؔ

خیالِ یار کی چلتی رہی ہوا ، ارشدؔ
تو ٹمٹاتا رہا دل کا بھی دیا ارشدؔ

تمہاری کھوج میں نکلا تو خود کو بھول آیا
تمام عمر رہا خود کو ڈھونڈتا ، ارشدؔ

ہزار خواب ابھی آنکھ میں اُترنے ہیں
دریچہ چھوڑ کے جائے تو رتجگا ، ارشدؔ

گذشتہ رات کی آندھی نے جس کو توڑ دیا
اُسی شجر پہ تھا چڑیا کا گھونسلا ، ارشدؔ

یہ پل دو پل میں ترا ساتھ چھوڑ جائے گی
ہے زندگی بھی تو پانی کا بلبلا ، ارشدؔ

غموں کا بوجھ تھا کاندھوں پہ پھر بھی چلتے رہے
کہیں ملا ہی نہیں کوئی آسرا ، ارشدؔ

وہ اپنے آپ سے جو آج تک ملا ہی نہیں
ترا نصیب ہے کہ تجھ کو مل گیا ، ارشدؔ





کیا مرے زخمِ جگر کو پھر ہَوا لگنے لگی
جو مجھے یہ زندگانی اک سزا لگنے لگی

بے کلی بڑھنے لگی ہے جو امیر شہر کی
کیا کسی بے کس کی اس کو بددعا لگنے لگی

گردشِ حالات سے جو میں نکل کر آ گیا
قبر کی آغوش سے ماں کی دعا لگنے لگی

وہ سیاہی جو میری تقدیر میں لکھی گئی
تیری زلفوں میں جو آئی تو گھٹا لگنے لگی

چاند بھی بھولا ہے ارشدؔ میرے گھر کا راستہ
اب تو مجھ سے چاندنی بھی کچھ خفا لگنے لگی





کل بھی مرکز ، آج بھی ہے روشنی کا آفتاب
روزِ اول سے ہے دشمن تیرگی کا آفتاب

چار سُو پھیلی ہوئی ہے دھوپ تیرے روپ کی
اور حوالہ بن گیا ہے روشنی کا آفتاب

چھا رہی ہے اب دلوں پہ دھند حرص و آز کی
ماند پڑتا جا رہا ہے دوستی کا آفتاب

رفتہ رفتہ ان اندھیروں میں ضیائیں بانٹ کر
ڈوب ہی جائے گا میری زندگی کا آفتاب

آسمانوں سے چمن میں اپنی کرنیں بھیج کر
روپ لے جائے گا ارشدؔ ہر کلی کا آفتاب





یہ گماں ہے کہ یقیں خطرے میں ہے
ایسا لگتا ہے زمیں خطرے میں ہے

کربلائے دہر میں ابنِ علیؓ !
پھر تیرے ناناؐ کا دیں خطرے میں ہے

جو کرے سجدے خدا کی ذات کو
آج ہر اک وہ جبیں خطرے میں ہے

صحنِ گل میں آتش و آہن کا کھیل
صحنِ گل کا ہر مکیں خطرے میں ہے





دل پر جو ہے بوجھ اتارا جائے گا
یادوں میں جب تجھے پکارا جائے گا

چاروں جانب سے موجیں آ گھیریں گی
جب نظروں سے دور کنارا جائے گا

میرے دل کی باتیں گر تم سن لو گے
کیا اس میں اے یار تمہارا جائے گا

تیرے رُخ کے تل کو دیکھ کے سوچتا ہوں
اس پر سارا جیون وارا جائے گا

اب کی بار جو میں نے بازی کھیلی ہے
جیتوں گا ، یا سب کچھ ہارا جائے گا





گماں کب تھا کہ تم ایسا کرو گے
عدو کے سامنے رسوا کرو گے

میں ہوں تو بے رخی کرتے ہو مجھ سے
رہا نہ جب تو پھر رویا کرو گے

فلک پر دیکھ کر تم ماہ و انجم
گنو گے رات بھر ، جاگا کرو گے

بہا کر کاغذوں کی کشتیوں کو
لب ساحل کھڑے دیکھا کرو گے

کوئی بے گھر ٹھکانے آلگے گا
درِ دل کو اگر تم وا کرو گے

رہے گی کیا تمہاری ساکھ ارشدؔ
گلے شکوے اگر بے جا کرو گے





نجانے کیا تماشا ہو رہا ہے
جو بونا تھا وہ اونچا ہو رہا ہے

کوئی طعنوں کی پھر پوشاک بھیجو
لباسِ غم پرانا ہو رہا ہے

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شاید
کوئی پھر مجھ سے دھوکا ہو رہا ہے

قدم بڑھنے لگے ہیں تیری جانب
یہ سب کچھ بے ارادہ ہو رہا ہے

میں خوابوں میں پرندے دیکھتا ہوں
مجھے یہ کیا اشارہ ہو رہا ہے

ملیں گے تم سے لیکن روزِ محشر
چلو اتنا تو وعدہ ہو رہا ہے

بتاؤں کیا تمہیں اے جان ارشدؔ
محبت کا بھی سودا ہو رہا ہے





جو تھے جان سے پیارے خواب
ٹوٹ گئے وہ سارے خواب

اُس کی روتی آنکھوں پر
میں نے ہنس کر وارے خواب

بھیگی بھیگی سی اک شام
ہم تم جھیل کنارے ، خواب

اُجلے اُجلے پیکر ہیں
کس نے آج نکھارے خواب

ارشدؔ اُس کا سُندر روپ
جیسے چاند ، ستارے ، خواب





یہ کیا دل سے نکالا جا رہا ہے
جسے اشکوں میں ڈھالا جا رہا ہے

مری قسمت میں لکھا ہے جو گرنا
مجھے پھر کیوں سنبھالا جا رہا ہے

یہ دل کا خون پی کر بھی ڈسے گا
جو غم کا سانپ پالا جا رہا ہے

مری دھرتی کیا بنجر ہو گی ہے
کہ ہر منہ سے نوالہ جا رہا ہے

گریں نہ تیرے دامن پہ بھی چھینٹے
یہ جو کیچڑ اُچھالا جا رہا ہے

ارادہ ہی نہیں ہے جو ملن کا
تو کیوں وعدوں پہ ٹالا جا رہا ہے

مری بے تابیوں کا جانِ ارشدؔ
کیا کوئی حل نکالا جا رہا ہے



Scanned by CamScanner



عجب سوچوں میں دل اٹکا ہوا ہے
کہ میرِ کارواں بھٹکا ہوا ہے

کوئی انہونی شاید اب کے ہوگی
درِ دل پہ جو اب کھٹکا ہوا ہے

میں کیوں اس سے مصافحہ کر رہا ہوں
کہ جس نے ہاتھ یہ جھٹکا ہوا ہے

یہ دل چرخِ تمنا سے پھسل کر
غموں کی شاخ میں اٹکا ہوا ہے

ہر اک بندے کا اب احساس ارشدؔ
صلیبِ وقت پہ لٹکا ہوا ہے





نرالی شان میں آئے ہوئے ہیں
وہ کس ہیجان میں آئے ہوئے ہیں

اب اپنے گھر میں یوں لگنے لگا ہے
کہ ہم زندان میں آئے ہوئے ہیں

تمہارے روپ کے سارے حوالے
میرے دیوان میں آئے ہوئے ہیں

جو گل شاخوں پہ نازاں ہو رہے تھے
وہ سب گلدان میں آئے ہوئے ہیں

ہوئے ہیں اُن سے جو منسوب ارشدؔ
تو ہم پہچان میں آئے ہوئے ہیں





اشک پلکوں پہ سجا کر کیا ملا
دوستوں کو آزما کر کیا ملا

جا بجا ہونے لگیں رسوائیاں
حالِ دل سب کو سنا کر کیا ملا

اُلجھنیں ، بے چینیاں اور اضطراب
سوچتا ہوں دل لگا کر کیا ملا

روتے روتے آنکھ بھی پتھرا گئی
اک ذرا سا مسکرا کر کیا ملا

کم ہوئی نہ تیرگی شہرِ دل
تجھ کو ارشدؔ گھر جلا کر کیا ملا





موسم تھا بے مثال تمہیں سوچتے رہے
اوڑھے تھے غم کی شال تمہیں سوچتے رہے

جس میں تمہارے لمس کی خوشبو ہے آج بھی
دیکھا جو وہ رومال تمہیں سوچتے رہے

ہر عکس میری آنکھ کے شیشے میں آ گیا
یادوں کا تھا کمال تمہیں سوچتے رہے

دیکھا تھا کل جو باغ میں پھولوں کا روپ رنگ
اے حُسنِ بے مثال تمہیں سوچتے رہے

بوتا نہیں ہے اب کوئی بھی چاہتوں کے بیج
پڑ جائے یوں نہ کال تمہیں سوچتے رہے

تو کیا گیا کہ خود سے بھی ہم اجنبی ہوئے
گزرے یوں ماہ و سال تمہیں سوچتے رہے

ہے کون جس کی مثل ہے کلیوں کا بانکپن
اُٹھا جو یہ سوال تمہیں سوچتے رہے

OOO



چاہت میں کوئی ضابطہ رکھا نہیں کبھی
سود و زیاں کا ہم نے تو سوچا نہیں کبھی

جو آدمی کے درد کو محسوس نہ کریں
اُن پتھروں کو ہم نے تو پوجا نہیں کبھی

پھیلا ہے تیری آنکھ میں کاجل یہ کس لئے
تُو بے سبب تو آج تک رویا نہیں کبھی

اُڑ جائے تیرا روپ نہ تپتی نگاہ سے
جی بھر کے تجھ کو اس لئے دیکھا نہیں کبھی

وہ کیا بھلا مٹائے گا تشنہ لبی مری
چاہت کی ایک بوند جو دیتا نہیں کبھی

خوشیاں ہزار آئیں گی ہر ایک موڑ پر
بچپن کا دور لوٹ کے آتا نہیں کبھی

اک دن اسی مقام پر آئیں گے وہ ضرور
ارشدؔ نے جانے والوں کو روکا نہیں کبھی





کسی کے نرم لہجے کی لطافت لطف دیتی ہے
زباں جب کھولتا ہے وہ سماعت لطف دیتی ہے

کہ اکثر وسوسے دل کو بہت بے چین کرتے ہیں
گماں سے جب نکل آئے حقیقت لطف دیتی ہے

مزہ کچھ بھی نہیں آتا فقط یک طرفہ چاہت سے
تڑپ ہو ایک جیسی تب محبت لطف دیتی ہے

ترے آنچل کو سرکائے کبھی زلفوں کو لہرائے
ہوا کی اس سے مجھ کو شرارت لطف دیتی ہے

کسی شب غم کے ہاتھوں جب بہت کچھ ہار جاتا ہوں
جو میرے پاس ہے یادوں کی دولت لطف دیتی ہے

یونہی ڈر ڈر کے جینے سے کبھی منزل نہیں ملتی
محبت میں میرے ہمدم بغاوت لطف دیتی ہے

وہ اپنے درد کے گہنے جو میرے نام کرتا ہے
مجھے اس شخص کی ارشد سخاوت لطف دیتی ہے





ہیں گام گام پہ بکھرے اِدھر اُدھر پتھر
اسی لئے تو ہوئی ہے یہ رہگزر پتھر

خدا نے انساں کو رتبہ دیا ، مگر اُس نے
بنا دیئے ہیں ہر اک شے سے معتبر پتھر

بس ایک بار ہی دیکھا نگاہ بھر کے اسے
پھر اس کے بعد ہوئی ہے مری نظر پتھر

اُگائے صحن میں تُو نے جو خواہشوں کے شجر
گریں گے دیکھنا اک روز ترے گھر پتھر

ہوئے ہیں حادثے ایسے کہ دل بھی دل نہ رہا
اُٹھائے پھرتے ہیں سینے میں در بدر پتھر

کہا تھا اس سے کہ کوئی جواب لے آنا
وہ دیکھو ہاتھ پہ رکھے ہے نامہ بر پتھر

یہ کس کی یاد میں یوں دل سے آہ نکلی ہے
کہ پھوٹ پھوٹ کے رویا جہاں کا ہر پتھر





عشق کا آزار ہے اور کچھ نہیں
بس خیالِ یار ہے اور کچھ نہیں

اِک طرف ہے پیار میں اثبات اور
اِک طرف انکار ہے اور کچھ نہیں

اب تو گھر میں چھت ہے نہ کوئی شجر
سایۂ دیوار ہے اور کچھ نہیں

چھوڑ کر لشکر تو کب کا جا چکا
ہاتھ میں تلوار ہے اور کچھ نہیں

دیکھ کر ارشدؔ تجھے لگتا ہے یوں
خود سے تُو بے زار ہے اور کچھ نہیں





کسی خیال کسی آگہی سے ڈرتے ہوئے
گزر رہی ہے بڑی سادگی سے ڈرتے ہوئے

اُتارنا ہی پڑے گی یہ خوف کی چادر
کٹے گی کس طرح یوں ہر کسی سے ڈرتے ہوئے

ہجوم یاد میرے ساتھ ہی نہ چلنے لگے
گزر رہا ہوں میں ان کی گلی سے ڈرتے ہوئے

فلک کا رنگ جو بدلا ہوا ہے وقت سحر
ستارے چھپنے لگے روشنی سے ڈرتے ہوئے

سجایا ہی نہیں خواب حسیں کوئی ارشدؔ
بس اپنی آنکھ میں اتری نمی سے ڈرتے ہوئے





جب تُو میری آنکھ سے اوجھل ہو جاتا ہے
سچ کہتا ہوں شہر بھی جنگل ہو جاتا ہے

شاخ پہ کوئی تنہا پنچھی دیکھتا ہوں تو
جانے کیوں من پگلا بوجھل ہو جاتا ہے

دل پر پڑنے والی گرہیں کھل جائیں تو
قصہ جتنا مشکل ہو ، حل ہو جاتا ہے

جب پانی تالاب سے کرنیں لے جاتی ہیں
پھر وہ ہجر کا مارا بادل ہو جاتا ہے

پیار کی برکھا جب کوئی برسائے تو پھر
دل کا تپتا صحرا جل تھل ہو جاتا ہے

عشق کی آگ میں جلنے والا دل ہی ارشدؔ
چاہنے والی آنکھ کا کاجل ہو جاتا ہے





راستے دشوار تھے جن پر سفر اس نے کیا
اک خیالِ یار کو بس ہمسفر اُس نے کیا

جب پڑا قلب و نظر پہ تیری یادوں کا غلاف
رفتہ رفتہ اس جہاں سے بے خبر اُس نے کیا

ان کو پہلے تو سجایا چاہتوں کے خواب سے
پھر انہی آنکھوں کو اشکوں سے بھی تر اُس نے کیا

بُور آنے کو ہی تھا کہ چل پڑی بادِ سموم
پیڑ ہر اک خواہشوں کا بے ثمر اس نے کیا

کٹ رہی تھی زندگانی گوشۂ گمنام میں
تھامتے ہی ہاتھ مجھ کو معتبر اُس نے کیا

چین لینے ہی نہیں دیتی کبھی آوارگی
شوق پالا تھا جو ارشدؔ در بدر اُس نے کیا





اصولِ زیست سے جب انحراف کرنا پڑا
خطا نہیں تھی مگر اعتراف کرنا پڑا

ٹھٹھری رات میں جب کوئی سائباں نہ ملا
تمہاری یاد کو خود پر لحاف کرنا پڑا

بچا لیں ہم ہی کسی طور آبروئے قلم
یوں دوستوں سے ہمیں اختلاف کرنا پڑا

تمہاری یاد کا ہر بت گرا دیا اب کے
یوں اپنے دل کو بھی اپنے خلاف کرنا پڑا

غموں کی گرد جو اڑنے لگی تو پھر ارشدؔ
فضائے دل کو بھی اشکوں سے صاف کرنا پڑا





کب کہا میں نے کہ شیشہ چُور ہو سکتا نہیں
کانچ کا ٹکڑا پہ کوہِ نور ہو سکتا نہیں

خون دیتا ہے گواہی بے گنہ مظلوم کی
سولی چڑھ کر ہر کوئی منصور ہو سکتا نہیں

شام کی آغوش میں ستا تو لے گا آفتاب
رات کی کالک سے وہ بے نور ہو سکتا نہیں

کیوں تمنا کر رہے اُس سے تم بُو باس کی
پیڑ شیشم کا کبھی کافور ہو سکتا نہیں

چھوڑ کر جانے لگا ہے تُو مگر یہ سوچ لے
میرے دل کی دھڑکنوں سے دُور ہو سکتا نہیں





آتی ہے تیری یاد تو روتا ہوں آج بھی
میں تیرے انتظار میں بیٹھا ہوں آج بھی

مدت ہوئی ہے تارکِ دنیا ہوئے مجھے
کیوں میں تمہاری آنکھ میں چبھتا ہوں آج بھی

شاید میرے نصیب میں ہے تشنگی ابھی
دریا کے پاس رہ کے میں پیاسا ہوں آج بھی

ہر روز لوٹتا ہوں میں ناکام دن ڈھلے
یہ کس کی جستجو ہے کہ نکلا ہوں آج بھی

اب کیا خبر میں کونسی مٹی میں جا ملوں
کہ آندھیوں کے دوش پہ اُڑتا ہوں آج بھی

لازم ہے تیرا ساتھ بھی تکمیل کے لیے
اب تو پلٹ بھی آؤ کہ آدھا ہوں آج بھی

کچھ تو ہوا ہے سر پھری اُس پہ میرا جنوں
اک نام تیرا ریت پہ لکھتا ہوں آج بھی

جس کو میرے نصیب میں لکھا نہیں گیا
ارشدؔ میں بدنصیب اُسی کا ہوں آج بھی





نہر ، دریا اور سمندر کا یہ پانی ریت پر
لکھ رہا ہے ایک مدت سے کہانی ریت پر

کیا ہوا ، گر چھوڑ کر جانے لگے ہو دشت میں
قیس نے بھی تو گزاری زندگانی ریت پر

دُور تک پھیلا ہوا صحرا مقابل ہو اگر
کس طرح کر پائے کوئی کشتی رانی ریت پر

برسرِ پیکار موجیں ہیں مٹانے کے لیے
تُو بنا کر دے گیا تھا جو نشانی ریت پر

کیا خبر کوئی تھکا ہارا مسافر آ رُکے
اِس لئے میں کر رہا ہوں ، باغبانی ریت پر

لاکھ بہکائے نظر کو لاکھ دھوکا دے سراب
کب نظر آتا ہے عکسِ آسمانی ریت پر

بپھری لہریں چیر دیتی ہیں چٹانوں کے بدن
ریت کی دیوار ارشدؔ کیا اُٹھانی ریت پر





صحنِ گلشن میں خزاؤں کا اثر ہونے لگا
رفتہ رفتہ بے لبادہ ہر شجر ہونے لگا

چلچلاتی دھوپ بھی تھی آبلہ پائی بھی تھی
اب تمہارا غم بھی میرا ہمسفر ہونے لگا

دل کی بستی کے اُجڑنے کی کہانی جب سنی
آنسوؤں سے اس کا چہرہ تر بہ تر ہونے لگا

رفتہ رفتہ سب رگوں میں سنسناہٹ آ گئی
نفرتوں کے زہر کا ایسا اثر ہونے لگا

سوچتا ہوں اُس پہ ارشدؔ اب بھروسہ کیا کروں
کر کے جو رسوا مجھے خود معتبر ہونے لگا





وہ جذبوں کی روانی اب کہاں ہے
محبت کی کہانی اب کہاں ہے

بہت رنجور تھا تُو وقتِ رخصت
تری آنکھوں کا پانی اب کہاں ہے

بہت بپھرا ہوا تھا کل جو دریا
مگر اُس کی روانی اب کہاں ہے

وہ پل پل روٹھنا اور مان جانا
تری عادت پرانی اب کہاں ہے

بڑھاپا ایک دن پوچھے گا تجھ سے
بتا ارشدؔ جوانی اب کہاں ہے





کسی محتاج کو جیسے ضرورت مار دیتی ہے
انا کے ٹوٹ جانے سے ندامت مار دیتی ہے

رہوں یا نہ رہوں رسموں کی زنجیروں کو توڑوں گا
پتہ ہے یہ قبیلے سے بغاوت مار دیتی ہے

عدو میں حوصلہ کب ہے مجھے وہ زیر کر جائے
سُنا ہے میں نے اپنوں کی عداوت مار دیتی ہے

رہِ الفت کے راہی بات اتنی ذہن میں رکھنا
محبت میں جدائی کی اذیت مار دیتی ہے

جہاں پر کوڑیوں کے مول میں انصاف بکتا ہے
وہاں مظلوم کو اکثر عدالت مار دیتی ہے

تعجب کیا کسی مفلس نے گر ہے خودکشی کر لی
کہ زرداروں کو بھی تو اُن کی دولت مار دیتی ہے

ہمارے شہر پہ زور آوروں کا راج رہتا ہے
شریفوں کو یہاں اکثر شرافت مار دیتی ہے

کہ صبح دم جس گھڑی میں دیکھتا ہوں آئینہ ارشدؔ
تو خود کے روبرو اس کی شباہت مار دیتی ہے





وہ کر کے تنہا مجھے قافلہ بھی دیتا ہے
کہ روکتا بھی ہے اور راستہ بھی دیتا ہے

بھنور میں ڈالتا ہے خود وہ میری ناؤ بھی
پھر اِس کے بعد مجھے حوصلہ بھی دیتا ہے

وہ خواب بوتا ہے چپ چاپ میری آنکھوں میں
پھر اُن کو بارشوں کا سلسلہ بھی دیتا ہے

بدلتا رہتا ہے وہ روز خدوخال مرے
اور اُس کے بعد مجھے آئینہ بھی دیتا ہے

مجھے ڈراتا بھی ہے آندھیوں کی آمد سے
میرے ہی گھر کا وہ ان کو پتہ بھی دیتا ہے

وہ اجتناب بھی کرتا ہے روز ملنے سے
یہی وہ بات ہے جس کا گلہ بھی دیتا ہے

کہ بزمِ یاراں میں وہ کر کے بے رخی ارشدؔ
یوں میری چاہتوں کا کچھ صلہ بھی دیتا ہے





یہ مرا دل بھی کوئی کاغذی کھلونا تھا
کہ پہلے کھیلنا تھا اس نے پھر ڈبونا تھا

تمہاری آس پہ یوں کب تلک پڑا رہتا
مجھے بھی ایک نہ اک دن کسی ہونا تھا

وہ پہلی پیار کی بارش کا تذکرہ کر کے
"تجھے اداس بھی کرنا تھا خود بھی رونا تھا"

میرے نصیب میں لکھے ہیں رتجگے اُس نے
کہ جس کے زانو پہ سر رکھ کے میں نے سونا تھا

بڑے جتن سے وہ مرہم لگا رہا تھا اسے
کہ اس نے تیر کوئی دل میں پھر چبھونا تھا

کٹی ہر رات میری کروٹیں بدلتے ہوئے
تمہاری یاد بھی کانٹوں کا اک بچھونا تھا

کچھ اس لیے بھی ترے قہقہوں کا ساتھ دیا
بچھڑ کے تجھ سے مجھے عمر بھر جو رونا تھا

جو میرے نام ہی کرنے تھے رتجگے ارشدؔ
تو کوئی خواب میری آنکھ میں نہ بونا تھا





جو بات بھی ہے دل میں وہ باہر نکال دے
رنجش چھپانے سے تو ہے بہتر نکال دے

آتی نہیں ہے نیند تو آئیں گے خواب کیا
اے کاش کوئی آنکھ سے کنکر نکال دے

یا مجھ پہ کھول راز تُو اب اس زمین کے
یا پھر مجھے خلاؤں سے اوپر نکال دے

دھند لا چکی ہے اب مری بینائی دھند سے
پروردگار آنکھ سے منظر نکال دے

اڑ کر تمہارے بام سے جاؤں گا میں کہاں
گر تجھ کو خوف ہے تو مرے پر نکال دے

اب تو خمارِ خواب سے آنکھیں بھی لال ہیں
جس پر نہ آئے نیند وہ بستر نکال دے

ارشدؔ فصیلِ شہر سے اکتا چکا ہوں میں
کھڑکی نکال دے یا کوئی در نکال دے





ارادہ جو بھی کرتا ہوں باالآخر توڑ دیتا ہوں
میں اپنے آپ کو مشکل میں تنہا چھوڑ دیتا ہوں

ہنر اب آ گیا مجھ کو وفاؤں کے پرکھنے کا
دکھاوے کی ہر اک چاہت میں واپس موڑ دیتا ہوں

نجانے ضد ہے یہ کیسی انا میں اور محبت میں
تعلق توڑتا ہے وہ، میں تعلق جوڑ دیتا ہوں

وہ لمحے تیری قربت کے مجھے جب یاد آتے ہیں
پھر اپنے صبر کا دامن بھی اکثر چھوڑ دیتا ہوں

اُلجھتی ہے کہانی جب وفاؤں اور جفاؤں کی
کمال ضبط سے میں پھر نیا اک موڑ دیتا ہوں

ارشدؔ میں شب غم میں اذیت خود کو دیتا ہوں
پھپھولے اپنے دل کے اپنے ہاتھوں پھوڑ دیتا ہوں



میں جس کے واسطے خود آج دوستوں میں نہیں
وہ ایک شخص بھی کچھ دن سے رابطوں میں نہیں

تُو سرسرا کے چلے یا کہ دندنائے ہوا
کوئی چراغ میرے گھر کے طاقچوں میں نہیں

عجیب سانحہ گزرا ہے شب کے پچھلے پہر
شجر اُداس ہیں پنچھی بھی گھونسلوں میں نہیں

جدھر نگاہ کروں ریت ہے یا گرد و غبار
کہ سنگ میل بھی صحرا کے راستوں میں نہیں

حنائی ہاتھ کی دستک ہے یا ہَوا کا گزر
تمہارے لمس کی خوشبو تو آہٹوں میں نہیں

وہ میری لاش پہ آئے ہیں سر جھکائے ہوئے
کہ میرے یار بھی شامل تو قاتلوں میں نہیں

بس اب تو شوق ہی اڑنے کا رہ گیا ارشؔد
ذرا سی جان بھی ٹوٹے ہوئے پروں میں نہیں



خزاں رہی تو رہے گا اُداسیوں کا ہجوم
کھلیں گے پھول تو آئے گا تتلیوں کا ہجوم

یہ میرا وہم تھا یا کوئی آ کے لوٹ گیا
تمام رات رہا در پہ آہٹوں کا ہجوم

ہمارے خواب ہیں ٹوٹے یا کوئی موت آئی
ہمیں جو گھیر کے بیٹھا ہے رتجگوں کا ہجوم

ہوا ہے حادثہ کوئی ، یا شعبدہ گر ہے
لگا ہے شہر سے باہر جو باسیوں کا ہجوم

کسی نے جھیل کے پانی میں زہر گھول دیا
مرے گا ، یا کہ اڑے گا یہ پنچھیوں کا ہجوم

فضا میں حبس ہے اتنا کہ خوف آنے لگا
کہیں سے آنے ہی والا ہے آندھیوں کا ہجوم

نگاہ بدلی مقدر تو آنکھیں پھیر گیا
تھا میرے ساتھ جو ارشدؔ وہ دوستوں کا ہجوم





جس میں کچھ آگہی نہیں ہوتی
وہ کوئی زندگی نہیں ہوتی

روز و شب دل تو ہم جلاتے ہیں
جانے کیوں روشنی نہیں ہوتی

تیرے بارے اگر نہ سوچیں تو
ہم سے پھر شاعری نہیں ہوتی

لاکھ چمکے مگر یہی سچ ہے
روشنی چاند کی نہیں ہوتی

چاہتوں کی ہر اک کہانی میں
بات کچھ آخری نہیں ہوتی

شہر دل کے ہزار رستے ہیں
بند کوئی گلی نہیں ہوتی

ذکر اُس کا جب آگیا ارشدؔ
بات پھر دوسری نہیں ہوتی

OOO



رنجشِ دل کا اعادہ کر رہا ہے آج وہ
بے رخی حد سے زیادہ کر رہا ہے آج وہ

یہ بھی ممکن ہے کہ اب تنہا سفر کرنا پڑے
لوٹ جانے کا ارادہ کر رہا ہے آج وہ

جا رہا ہے خود بھی سب رنگینیوں کو چھوڑ کر
زیست میری بھی تو سادہ کر رہا ہے آج وہ

یہ بھی ہے احسان اس کا دے کے اپنے غم مجھے
سلطنت میری کشادہ کر رہا ہے آج وہ

جانے کیوں پلکوں پہ اپنی موتیوں کو ٹانک کر
حوصلہ میرا بھی آدھا کر رہا ہے آج وہ

جو سبق اس کو دیئے ہیں گردشِ حالات نے
کب کسی سے استفادہ کر رہا ہے آج وہ

کل کبھی آتا نہیں ہے جب اُسے معلوم ہے
کس لیے پھر کل کا وعدہ کر رہا ہے آج وہ





زمین و آسماں ہے اور میں ہوں
کوئی وہم و گماں ہے اور میں ہوں

غموں کا بوجھ حد سے بڑھ رہا ہے
وفا کا امتحاں ہے اور میں ہوں

بھنور میں ڈوب جائے گا سفینہ
شکستہ بادباں ہے اور میں ہوں

مجھے آنکھوں کی طغیانی کا ڈر ہے
یہ بحرِ بے کراں ہے اور میں ہوں

مری ہمت شکستہ ہو نہ جائے
مخالف اک جہاں ہے اور میں ہوں

میں ایسے بند کمرے میں ہوں ارشؔد
جہاں آہ و فغاں ہے اور میں ہوں

○○○





آئے گی اب کے صبا جب تری خبر لے کر
کہیں گے اُس سے کہ آ جائے تجھ کو گھر لے کر

وفورِ شوق تھا جن کو اڑان بھرنے کا
پرندے سوچ میں بیٹھے ہیں ٹوٹے پَر لے کر

اِسی امید پہ درہم نے کھلا چھوڑ دیا
کبھی تو آئے گا پیغام نامہ بر لے کر

کڑی ہے دھوپ مگر حوصلہ بحال رہے
کہ آرہا ہے کوئی سایۂ شجر لے کر

ہزار خواب تھے آنکھوں میں چکنا چُور ہوئے
تمہارے در سے یوں آئے ہیں چشمِ تر لے کر

بدن کی قید سے اُکتا چکا ہوں ربِ عظیم
رہا کرو مجھے یہ عمرِ مختصر لے کر



Scanned by CamScanner



تھا عجب منظر کہ جس نے کر دیا بے کل مجھے
بحرِ اُلفت بھی نظر آنے لگا دلدل مجھے

مثلِ خوشبو پھیل جاؤں گا ہَوا کے دوش پر
جب نگل جائے گا ترِی یاد کا جنگل مجھے

رفتہ رفتہ خود کلامی اِس قدر بڑھنے لگی
اب تو سب احباب بھی کہنے لگے پاگل مجھے

یوں تو ہے جھرمٹ حسینوں کا مرے چاروں طرف
یاد آتی ہے تمہاری کس لیے پل پل مجھے

خشک ہونٹوں پر زباں رکھی تھی میں نے جس گھڑی
دیکھ کر ہنسنے لگا اُڑتا ہُوا بادل مجھے

نفرتوں کی دھوپ سے جس پل جھلستا ہے بدن
یاد آتا ہے اے ماں اکثر ترا آنچل مجھے

مثلِ صحرا میں بھی ارشدؔ عمر بھر تپتا رہا
دِل میں حسرت ہی رہی کرتا کوئی جل تھل مجھے





اب تو سایہ بھی نظر آتا نہیں اپنا مجھے
کون تھا جو اِس طرح سے کر گیا تنہا مجھے

غیر تو کھاتے ہیں مِری پارسائی کی قسم
میرے اپنوں نے کیا ہے جب کیا رسوا مجھے

خواب تیرے دیکھتا ہوں جاگتی آنکھوں سے میں
ہر حسیں چہرے پہ ہوتا ہے ترا دھوکا مجھے

یوں مٹانے پر تلا ہے جیسے ہوں حرفِ غلط
ایک دن جس نے کتابِ دل پہ تھا لکھا مجھے

اب کھٹکتی ہے تمہیں کیونکر مری آوارگی
کس لیے تو نے ہَوا کے دوش پر رکھا مجھے

خشک شاخیں دل کے آنگین کی ہری ہونے لگیں
بعد مدت کے کوئی جب دیکھنے آیا مجھے

جس کا دعویٰ تھا مرے ہر درد کا ہے آشنا
ایک غم یہ بھی ہے ارشدؔ وہ نہیں سمجھا مجھے



محبت

محبت باعثِ تخلیقِ دنیا میں نے مانا ہے
محبت ابتداء ہے انتہا ہے کیا فسانہ ہے

محبت راز ہے ایسا جسے پانا نہیں آساں
محبت لُوٹ لیتی ہے کبھی تن من یہ جسم و جاں

محبت ناچتی ہے من کے آنگن مور کی صورت
محبت باندھتی ہے دل سے دل کو ڈور کی صورت

محبت پیاس صحراؤں کی پل بھر میں مٹا ڈالے
محبت سوکھتی شاخوں سے بھی غنچے کھلا ڈالے

محبت زندگی میں کہکشاں کے رنگ بھرتی ہے
محبت دل کی سب تاریکیاں تابندہ کرتی ہے

محبت زندگی کے گیت کا سُر تال ہوتی ہے
محبت دل کے پنچھی پہ سنہرا جال ہوتی ہے

محبت تشنہ لب رہ کے کبھی اک بوند کو ترسے
محبت دل کے صحرا پہ گھٹا بن کر کبھی برسے

محبت رسم دنیا کے کبھی تابع نہیں آتی
محبت دل میں بس جائے کسی صورت نہیں جاتی

محبت تپتے صحرا میں برہنہ پیر چلتی ہے
محبت آتش نمرود میں بے خوف جلتی ہے

محبت بپھری پہروں میں اترنے سے نہیں ڈرتی
محبت زہر پی کر بھی کبھی اف تک نہیں کرتی

محبت چڑھ کے سولی پہ بھی اپنا آپ منوائے
محبت جس کی دل میں ہو زباں بھی اُس کی ہو جائے

محبت جس کو چاہے جس طرح منصب عطا کر دے
محبت آدمی کو آدمی کا ہی خدا کر دے



یہ عشق نگر وہ بستی ہے

یہ عشق نگر وہ بستی ہے
جہاں روزِ ازل سے کھیل ہے یہ
جو دل میں ارماں پلتے ہیں
وہی دل کی آگ میں جلتے ہیں
جو سپنے آنکھیں بُنتی ہیں
وہی کرچی کرچی چُبھتی ہیں
یہاں روٹھتی ہیں جب تقدیریں
پھر چلتی نہیں ہیں تدبیریں
یہاں پاؤں میں چھن چھن کرتی ہیں
ارماں حسرت کی زنجیریں
یہاں دل میں جو آ بستے ہیں
وہی دل کو آ کر ڈستے ہیں
وہ پہلے پاگل کرتے ہیں

پھر پاگل پن پہ ہنستے ہیں
یہاں بن بادل برسات رہے
یہاں غم کی کالی رات رہے
جو اس بستی میں آ جائے
کوئی نام رہے نہ ذات رہے
یہ عشق نگر وہ بستی ہے
جہاں روزِ ازل سے کھیل ہے یہ.....



بہاریں آ گئیں ہیں

سنو !
موسم بدلنے کا اشارہ ہو گیا شاید
ہوائیں جھومتی ہیں ناچتی ہیں گنگناتی ہیں
درختوں نے بدل ڈالے ہیں اب تو پیرہن اپنے
کہ اُن کی زرد شالوں کا
نہیں ہے اب نشاں باقی
کہ سوکھی ٹہنیوں سے بھی شگوفے پھوٹ نکلے ہیں
یہ ننھی کونپلیں بھی جو بہت مسرور لگتی ہیں
یوں لگتا ہے
خوشی کا پھر کوئی پیغام آیا ہو
لگے ہیں اب پرندے بھی
بہت اٹھکیلیاں کرنے
وہ باغوں میں درختوں پر
صبح دم پھڑ پھڑاتے ہیں
خوشی سے ناچتے ہیں
جھومتے ہیں چہچہاتے ہیں

یہ سب کچھ تو مرے ہمدم
بہاروں کے اشارے ہیں
مگر دیکھو!
مرے دل کا جو موسم ہے
ابھی تک وہ نہیں بدلا
اداسی ناچتی ہے
جھومتی ہے رقص کرتی ہے
کہ پنچھی حسرتوں کے سہمے بیٹھے ہیں نجانے کیوں
نمو پاتی نہیں ہے.....کیوں
امیدوں کی کوئی کونپل
کہ دل کو ڈھانپ رکھا ہے
غموں کی زرد شالوں نے
سنو ایسا کرو
تم لوٹ آؤ اور میرے دل سے
غموں کی زرد شالوں کو اتارو اور خوشی دے دو
بہاریں آ گئیں ہیں

OOO

سوداگر

سنو !

میں ہوں کچھ بیچنے آیا

اگر تم کو ضرورت ہو

تو پھر کچھ بھاؤ کرتے ہیں

مرے حصے کی سب خوشیاں

مرے ہونٹوں کی ہر مسکاں

مری یہ روح یہ جسم و جاں

تم اپنے نام لکھوا لو

میں ہوں بے نام اک بندہ

کہ سب کچھ مجھ سے لے کر تم

مجھے اک نام دے دینا

کہ اپنی زندگانی سے

مجھے اک شام دے دینا ....



بارش

ساون کی پہلی بارش نے
برسوں کی پیاسی دھرتی کو
جیسے آج سیراب کیا ہے
کاش!
ایسا بھی ہو جائے
تیرے پیار کی ننھی بوندیں
دل کے تپتے صحراؤں پر
ٹوٹ کے برسیں
پیاس بجھائیں........



بے بسی

کتنی بار یہ میں نے سوچا
تیری یادوں کی تحریریں
لوحِ دل سے مٹ جانے دوں
لیکن جب ایسا ہوتا ہے
یادیں دھندلی پڑتی ہیں تو
سانسیں بھی رکنے لگتی ہیں............

OOO

التجا

کبھی میں یاد آؤں تو
کرم اتنا ذرا کرنا
مرے حق میں دعا کرنا
کہ تم کو بھول جاؤں میں

○○○

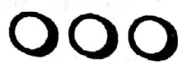
بے خبر

جب کوئی تیرے بارے پوچھے
تجھ کو اتنا سوچتا ہوں کیوں
تیرا میرا کیا رشتہ ہے
میں کچھ اور تو کہہ نہیں پاتا
ٹک ٹک اس کو دیکھتا ہوں بس
دل ہی دل میں سوچتا ہوں بس
کتنے ناداں ہوتے ہیں وہ
جو اتنا بھی جان نہ پائیں
دل سے دھڑکن کے تعلق کو
گل سے خوشبو کے بندھن کو
صحراؤں سے پیاس کی نسبت
ارمانوں سے آس کی نسبت
چاند چکور کی مست کہانی
دریا میں پانی کی روانی
کیوں ہوتی ہے
پوچھنے والی بات کہاں ہے !



کبھی میں یاد آؤں تو..........

کبھی میں یاد آؤں تو......
مری باتوں کو دُہرانا
محبت کے حسیں لمحے
جو کل ہم نے گزارے تھے
انہیں آنکھوں میں بھر لینا
کبھی میں یاد آؤں تو
سرکتی شام سے جاناں
نگاہیں پھیر لینا تم
کہیں ایسا نہ ہو جائے
نہاں دل میں جو خواہش ہے
تمہیں مضطر نہ کر ڈالے



کبھی میں یاد آؤں تو.......

سرگودھا فنون لطیفہ کے حوالے سے بہت ذرخیز مقام ہے ج
پر اللہ کی خصوصی عنایت رہی ہے اور جاری ہے۔ جہاں ڈا
وزیر آغا، شکیب جلالی، جیسی قد آور شخصیات نے جنم لیا۔ ا
محمود ارشد کا تعلق بھی اسی ادب پرور فضا سے ہے۔ غائب
مضامین پہلے تخلیق کار کے خیال کے کینوس پر اپنا عکس ڈا
ہیں جسے تخلیق کار سلیقہء ہنرمندی سے صفحہء قرطاس پر منتقل
ہے ارشد محمود کے خیالوں کا کینوس بھی بے حد وسیع ہے ج
میں قدیم روایات کی جھلک جدید رنگ میں ملتی ہے جس
ارشد محمود کے کلام میں منفرد و بھرپور تاثر ابھرتا ہے۔ ا
محمود ''عجیب سی بے قراری ہے'' کے بعد ''کبھی میں یاد آ
تو......'' کی صورت میں اپنے من مندر میں بجتی گھنٹیو
شبدوں میں ڈھالنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ میری دُعا
کہ زندگی کے ہر موڑ پر کامیابیاں ارشد محمود ارشد کا مقدر بنیں

فوزیہ مغ

Kabhi Mein Yad Aon To



میں جس کے واسطے خود آج دوستوں میں نہیں
وہ ایک شخص بھی کچھ دن سے رابطوں میں نہیں

تُو سرسرا کے چلے یا کہ دندنائے ہوا
کوئی چراغ میرے گھر کے طاقچوں میں نہیں

عجیب سانحہ گزرا ہے شب کے پچھلے پہر
شجر اُداس ہیں پنچھی بھی گھونسلوں میں نہیں

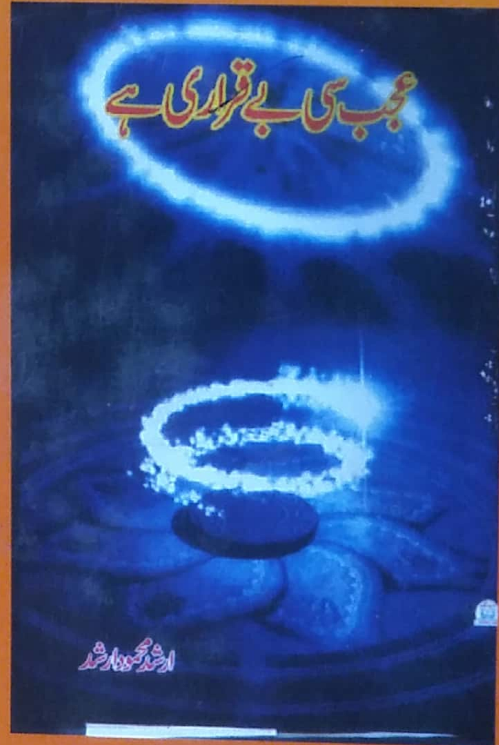
جدھر نگاہ کروں ریت ہے یا گرد و غبار
کہ سنگ میل بھی صحرا کے راستوں میں نہیں

حنائی ہاتھ کی دستک ہے یا ہَوا کا گزر
تمہارے لمس کی خوشبو تو آہٹوں میں نہیں

وہ میری لاش پہ آئے ہیں سر جھکائے ہوئے
کہ میرے یار بھی شامل تو قاتلوں میں نہیں

بس اب تو شوق ہی اڑنے کا رہ گیا ارشدؔ
ذرا سی جان بھی ٹوٹے ہوئے پروں میں نہیں

ارشدؔ محمود ارشدؔ



ارشد محمود ارشدؔ کا پہلا شعری مجموعہ



ISBN: 978-969-9408-11-3

MUGHAL PUBLISHING HOUSE LAHORE
Mob. +92-300 468 3760
Email: fozia_mughal22@yahoo.com